© rasailojaraid.com

نقدِ خبرِ واحد کے حنفی اصول اور ان کا مؤسسین فقہِ حنفی کی طرف انتساب: ایک تنقیدی مطالعہ

مبشر حسین ۞

مسلمانوں میں قرآن و سنت کے بارے میں ہمیشہ سے یہ اتفاق رائے رہا ہے کہ یہ دونوں مصادر شریعت ہیں، تاہم قرآن مجید مکمل تواتر کے ساتھ نقل و روایت ہوا ہے جب کہ سنت (احادیث) کا پورا ذخیرہ متواتر نہیں ہے، بلکہ زیادہ حصہ اخبار آحاد پر مشتمل ہے اور اس میں قبولیت و عدمِ قبولیت کے معیار یا اصول و ضوابط میں اہل علم کا اختلافِ رائے رہا ہے۔ دیگر فقہا و محدثین کی طرح حنفی فقہا نے بھی خبر واحد کے ردّ و قبول کے کچھ اصول قائم کیے ہیں، جن کا بڑا حصہ مؤسّسین (یعنی امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین) سے صراحت کے ساتھ منقول ہے، تاہم بعض اصولوں (جن میں ائمہ مؤسّسین سے صراحت نہیں تھی اور متاخر حنفی اصولیوں نے ان کا استخراج کیا)، کے مؤسّسین کی طرف انتساب میں اختلاف بھی ہے۔ زیر نظر مقالے میں ان اصولوں اور ان کے انتساب کی نوعیت کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

محدثین کے نزدیک خبر واحد کی اقسام

محدثین کی اصطلاح میں خبر واحد / سنۃ الآحاد سے مراد ہر وہ روایت ہے جو متواتر نہ ہو جیسا کہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وأما خبر الواحد فهو ما لم يوجد فيه شروط المتواتر سواء كان الراوی له واحدا أو أكثر." (یعنی خبر واحد (اصطلاحِ حدیث کی رو سے) وہ روایت ہے جس میں متواتر کی شرائط جمع نہ ہوں، قطع نظر اس سے کہ اس کا راوی ایک ہے یا ایک سے زیادہ)۔[۱]

اس تعریف کی رو سے مشہور، مستفیض، عزیز اور غریب سبھی خبر واحد میں شمار کی جائیں گی۔ حنفیہ کے علاوہ باقی تمام فقہا اور محدثین کی اس سلسلے میں یہی رائے ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے متواتر اور اس کے بعد ان چاروں قسموں کی تفصیلات ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: "وكلها أي الأقسام الأربعة المذكورة سوى

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبہ سیرت، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔(mubashir.hussain@iiu.edu.pk)

۱– جمال الدین القاسمی، قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث (دمشق: مکتب النشر العربي، ۱۹۳۵ء)، ۱۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الأول...وهو المتواتر...آحاد ويقال لكل منها خبر واحد."[۲] (متواتر کے علاوہ مذکورہ بالا چاروں اقسام کا تعلق 'آحاد' کے ساتھ ہے اور ان میں سے ہر قسم کو خبر واحد کہا جاتا ہے)۔

ذیل میں ان چاروں اقسام کی تعریف اور ان میں باہمی فرق پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ا۔ خبر مشہور / سنتِ مشہورہ

محدثین کی اصطلاح میں خبر مشہور / سنتِ مشہورہ سے مراد وہ روایت ہے جس کی سند کے ہر طبقے میں دو سے زیادہ راوی پائے جائیں۔ البتہ مشہور کی اصطلاح (عامۃ الناس کے ہاں) ایسی روایت کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے جو زبان زد عام ہو، قطع نظر اس سے کہ اس کی سند ایک ہے یا ایک سے زیادہ، یا وہ بالکل ہی بے سند ہے۔[۳]

ب۔ خبر مستفیض

مستفیض کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ مشہور ہی کے مترادف اصطلاح ہے، البتہ بعض کے نزدیک ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مستفیض وہ روایت ہے جس میں راویوں کی تعداد ابتدا سے انتہاے سند تک یکساں ہو جب کہ مشہور اس سے عام ہے، بایں معنی کہ اس میں ایسا ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔[۴]

ج۔ خبر عزیز

عزیز سے مراد وہ روایت ہے جس میں (ہر طبقے میں) کم از کم دو راوی دو راویوں سے روایت کریں۔[۵]

د۔ خبر غریب

غریب سے مراد وہ روایت ہے جس کی سند میں کسی جگہ ایک راوی رہ گیا ہو۔[۶]

۲۔ احمد بن علی بن محمد ابن حجر، **نزهة النظر شرح نخبة الفكر في مصطلح الأثر** (ریاض: مطبعة سفیر، ۱۴۲۲ھ)، ۵۴۔

۳۔ نفس مصدر، ۲۴۔

۴۔ نفس مصدر۔

۵۔ نفس مصدر۔

۶۔ نفس مصدر، ۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہاے حنفیہ کے نزدیک نوعیتِ ثبوت کے اعتبار سے حدیث کی اقسام

فقہاے حنفیہ نے اپنے مؤسسینِ فقہ کی آرا و فتاویٰ کو مد نظر رکھتے ہوئے حدیث کو نوعیتِ ثبوت کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے، یعنی متواتر، مشہور اور خبر واحد۔

۱۔ متواتر سے مراد وہ حدیث ہے جس میں شروع سے لے کر آخر تک ہر طبقے میں بے شمار راوی پائے جائیں اور ان کی کثرت، عدالت اور ایک دوسرے سے دوری کی وجہ سے ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن نہ ہو۔

۲۔ اگر پہلے طبقے میں راویوں کی کثرت نہ رہی ہو مگر بعد میں دوسرے طبقے سے آخری طبقے تک کثرت اور وہ بقیہ شرائط جو متواتر کی ہیں، پائی جائیں تو پھر ایسی حدیث کو مشہور کہا جاتا ہے۔

۳۔ احاد سے مراد وہ روایات ہیں جو نہ متواتر ہوں اور نہ مشہور۔ یعنی جسے روایت کرنے والا ایک یا دو یا دو سے کچھ زائد راوی ہوں اور اس میں متواتر یا مشہور کی شرائط جمع نہ ہوں۔[۷]

مذکورہ بالا اقسام میں سے بالعموم خبر واحد ہی مختلف پہلوؤں سے محل بحث رہی ہے جن میں سے دو پہلو بنیادی نوعیت کے ہیں:

۱۔ خبر واحد کی حجیت ۲۔ خبر واحد کے قبول واثبات کے اصول/ضابطے

۱۔ خبر واحد کی حجیت

جہاں تک خبر واحد کی حجیت کا مسئلہ ہے، تو اس سلسلے میں تین نقطۂ نظر معروف ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ خبر واحد اگر شرائط صحت پر پورا اترے تو وہ عقائد و احکام دونوں میں حجت ہے۔ جمہور محدثین،[۸] ظاہریہ[۹] اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر یہی بیان کیا جاتا ہے۔[۱۰]

۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: علی بن محمد بن حسین البزدوی، **کنز الوصول إلی معرفة الأصول**، مطبوع بر حاشیة عبد العزیز بخاری، **کشف الأسرار**، (کراچی: صدف پبلشرز، س،ن)، ۲: ۶۸۸۔

۸۔ امام بخاریؒ نے اس سلسلے میں اپنی **الجامع الصحیح** میں 'اخبار الآحاد، کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس میں ۲۲/ حدیثیں اور صحابہ و تابعین کے ۵۸/ آثار (مع مکررات) نقل کیے ہیں۔

۹۔ فقہاے ظاہریہ کے نقطۂ نظر کے لیے دیکھیے: ابن حزم، **الإحكام في أصول الأحكام** (قاہرہ: دار الحدیث، ۱۴۰۴ھ)۔

۱۰۔ شافعی نقطۂ نظر کے لیے دیکھیے: محمد بن ادریس الشافعی، **الرسالة** (مصر: مطبعة مصطفیٰ البابي الحلبي، ۱۹۶۹ء)، ۱۷۶–۱۹۰؛ محمد بن عمر بن الحسن الرازی، **المحصول في علم أصول الفقه** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۹۲ء)، ۴: ۳۸۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ دوسرا یہ کہ خبر واحد اگر شرائط صحت پر پورا اترے تو وہ احکام میں تو حجت ہے مگر عقائد میں حجت نہیں۔ یہ نقطۂ نظر حنفیہ سمیت جمہور اصولیوں اور فقہا کی طرف منسوب ہے۔(۱۱)

۳۔ تیسرا یہ کہ خبر واحد نہ عقائد میں حجت ہے اور نہ احکام میں۔ یہ نقطۂ نظر بعض رافضیہ، شیعہ اور معتزلہ وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔(۱۲)

یہاں راقم الحروف موضوع کے تقاضے کے تحت اس بحث کے دوسرے پہلو یعنی ''خبر واحد کے قبول و اثبات کے اصول/ضابطے'' کے حوالے سے کچھ اہم نکات کو زیر بحث لائے گا۔

۲۔ خبرِ واحد کے قبول و اثبات کے اصول/ضابطے

امام شافعی اور ان کے بعد کے جمہور محدثین، جنھوں نے زیر بحث مسئلے کی بعض جہتوں میں حنفی نقطۂ نظر سے اختلاف کیا ہے، کے مناہج کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کے ہاں خبر واحد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ اس میں بنیادی طور پر درج ذیل پانچ شرائط پائی جائیں:

۱۔ اس کا ہر راوی عادل ہو

۲۔ ضابط ہو

۳۔ سند متصل ہو

۴۔ روایت شاذ نہ ہو

۵۔ روایت علت سے محفوظ ہو۔(۱۳)

۱۱۔ دیکھیے: محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، (م۴۹۰ھ) **أصول السرخسي** (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۳۳۳- ۳۳۴؛ علی بن محمد الآمدی، **الإحکام في أصول الأحکام**، (بیروت: دار الکتاب العربي، ۱۴۰۴ھ)، ۲: ۴۵؛ امام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی، **المستصفیٰ من علم الأصول** (بیروت: دار الکتب العلمیة، س ن)، ۹۳۔

۱۲۔ دیکھیے: ابن حزم، مصدرِ سابق، ۱: ۱۳۳۔ آمدی، مصدرِ سابق، ۱: ۲۲۷۔

۱۳۔ دیکھیے: عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی، **تدریب الراوي** (لاہور: دار نشر الکتب الإسلامیة، س، ن)، ۶۳- ۶۴۔ یہ شرائط اپنی عمومی حیثیت میں اکثر علما (بہ شمول فقہا و محدثین) کے ہاں معتبر تسلیم کی گئی ہیں، تاہم ان کی تفصیل میں کچھ جزوی/ضمنی اختلافات بھی ہیں، مثلاً جیسے خیر القرون کے مجہول راوی کو محدثین تصور عدالت کی رو سے غیر معتبر قرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عراقی فقہا کے نزدیک خبرِ واحد(۱۴) کی قبولیت کے اصول

خبر واحد کے ردّ و قبول کے سلسلے میں عراقی فقہا کی طرف کچھ اصول منسوب کیے جاتے ہیں۔(۱۵) یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ان میں سے چند اہم اور مختلف فیہ اصولوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

عراقی فقہا کے نزدیک خبر واحد کی قبولیت کے لیے ایک تو یہ ضروری ہے کہ اس کے راوی میں درج ذیل چار شرائط پائی جائیں:

۱۔ عقل

۲۔ اسلام

۳۔ عدالت

۴۔ ضبط(۱۶)

اس کے علاوہ خبر واحد کی صحت کے لیے انھوں نے کچھ اور شرائط بھی لگائی ہیں، مثلاً یہ کہ اس روایت میں انقطاع معنوی کی کوئی صورت نہ ہو (یعنی روایت معناً منقطع نہ ہو)۔ اور واضح رہے کہ فقہاے حنفیہ کے نزدیک انقطاع کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں: انقطاع صوری اور انقطاع معنوی۔ انقطاع صوری سے مراد ان کے نزدیک وہ روایت ہے جس میں صحابی کے علاوہ کوئی اور راوی (جس کی نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ملاقات ثابت نہیں)، وہ نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی طرف کسی روایت کی نسبت کرے۔ اس صورت کو بعد کے حنفی اصولیوں کے ہاں مرسل کی اصطلاح سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔(۱۷)

دیتے ہوئے اس کی روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں جب کہ فقہاے حنفیہ کی راے اس کے برعکس ہے، جیسا کہ آئندہ صفحات میں ''مجہول راوی کی روایت'' کے ضمن میں دی گئی تفصیل سے واضح ہو گا۔

۱۴۔ واضح رہے کہ حنفیہ کے نزدیک دیگر مکاتب فکر کے برعکس احاد سے مراد وہ روایات ہیں جو نہ متواتر ہوں اور نہ مشہور۔ (عبد العزیز بخاری، کشف، ۲:۶۸۸)

۱۵۔ جن اصولوں کا یہاں تذکرہ کیا جائے گا، متاخر حنفی اصولیوں نے امام ابوحنیفہ کی طرف ان کا انتساب کیا ہے، لیکن کیا یہ انتساب (کلی یا جزوی طور پر) درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں محققین کی مختلف آرا ہیں جنھیں آگے زیر بحث لایا جائے گا۔

۱۶۔ السرخسی، أصول، ۱: ۳۵۶۔

۱۷۔ نفس مصدر، ۳۷۰۔ لیکن اس انقطاع صوری کو وہ روایت کے لیے عیب نہیں سمجھتے، جیسا کہ آگے مرسل کے عنوان کے تحت دی گئی تفصیل سے واضح ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انقطاع معنوی کی مزید دو صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک کا تعلق راوی سے متعلقہ شرائط (یعنی فسق، غفلت، خواہش پرستی وغیرہ) کے ساتھ ہے اور دوسری کا تعلق خبر واحد کا دیگر ادلہ سے متعارض ہونے کے ساتھ ہے اور اس کی مزید درج ذیل چار صورتیں ہیں جن میں خبر واحد کو معناً منقطع قرار دیتے ہوئے رد کر دیا جاتا ہے:

۱۔ اگر خبر واحد، کتاب اللہ سے متعارض ہو۔

۲۔ اگر خبر واحد، سنت مشہورہ سے متعارض ہو۔

۳۔ اگر خبر واحد، عموم بلویٰ سے متعارض ہو۔

۴۔ اگر اس خبر واحد سے ضرورت کے باوجود صحابہ نے استدلال نہ کیا ہو۔[۱۸]

علاوہ ازیں ان فقہا کے نزدیک خبر واحد کی قبولیت کی ایک شرط یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ روایت مطعون نہ ہو۔ مطعون روایت کے بارے میں بزدوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مطعون روایت وہ ہوتی ہے جسے سلف نے رد کر دیا ہو اور قبول نہ کیا ہو۔ اس کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس میں طعن خود راوی کی طرف سے ہو اور دوسری وہ جس میں طعن غیر راوی کی طرف سے ہو"۔[۱۹]

اس کے علاوہ بعض حنفی اصولیوں نے ایک قاعدہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ خبر واحد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ روایت قیاس سے متعارض نہ ہو، ورنہ اس کے راوی کی بنیاد پر اس روایت کا فیصلہ کیا جائے گا، یعنی اگر اس کا راوی فقیہ ہے تو روایت کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی اور راوی اگر قلیل الفقہ ہے تو اس کی روایت (خبر واحد) کو رد کر دیا جائے گا۔[۲۰]

مذکورہ اصولوں کا مؤسسین کی طرف انتساب کا مسئلہ

گذشتہ سطور میں متاخر حنفی اصولی مثلاً بزدوی اور سرخسی وغیرہ کے حوالے سے اخبار آحاد کے رد و قبول کے جن اصولوں کی نشان دہی کی گئی ہے، مؤسسین فقہ حنفی کی طرف ان اصولوں کے انتساب کے حوالے سے بعض اہل علم نے شک و شبہ کا اظہار بھی کیا ہے۔ برصغیر میں اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ نے ان اصولوں کی استخراجی

۱۸۔ نفسِ مصدر، ۳۷۴-۳۷۹۔

۱۹۔ دیکھیے: البزدوی، مصدرِ سابق، بخاری، کشف، ۲: ۳۸۴ -۳۹۰۔ یہ دراصل ضمنی تفصیلات ہیں اس اصول کی جو انقطاع معنوی کے حوالے سے اوپر شمار نمبر چار کے تحت ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ اگلے صفحات میں کی گئی بحث سے واضح ہو گا۔

۲۰۔ آئندہ سطور میں اس قاعدے کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیت کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین سے ان اصولوں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا،[۲۱] لیکن بعض معاصر محققین شاہ صاحب کی اس رائے سے کلی طور پر اتفاق نہیں کرتے ہوئے۔[۲۲] مشہور محقق ابو زھرہ نے شاہ صاحب کی اس رائے کا جائزہ لیتے ہوئے اس سلسلے میں درج ذیل تین اہم نکات کی طرف اشارہ کیا ہے:

۱- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اگرچہ تفصیلی طور پر استنباط احکام کے اصول منقول نہیں ہیں، مگر یہ بات قطعی ہے کہ استنباط احکام کے وقت ان کے پیش نظر لازماً کچھ اصول رہے ہیں، جنھیں انھوں نے مدون نہیں کیا جیسا کہ فروعیات کو مدون نہیں کیا...... اور انھیں مدون نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ ان کے پیش نظر کوئی اصول نہیں تھے۔

۲- جن علما، مثلاً بزدوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ان اصولوں کو مدون کیا ہے، انھوں نے ان اصولوں کی نسبت اپنے ائمہ کی طرف کرتے ہوئے ان ائمہ ہی کے اقوال و فروعیات کو بنیاد بنایا ہے۔ اور وہ بعض اوقات کسی اصول کی صحت نسبت واضح کرنے کے لیے ایسے اقوال و فروعیات کی

۲۱- احمد بن عبد الرحیم شاہ ولی اللہ (م۱۱۷۶ھ)، **الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف** (بیروت: دار النفائس، ۱۴۰۴ھ)، ۸۸- ۸۹؛ شاہ ولی اللہ، **حجة الله البالغة**، (بیروت: دار إحياء العلوم، ۱۹۹۲ء)، ۳۳۷۔ متعلقہ عبارت یہ ہے: واعلم أني وجدت أكثرهم يزعمون أن بناء الخلاف بين أبي حنيفة والشافعي رحمهما الله على هذه الأصول المذكورة في كتاب البزدوي ونحوه وإنما الحق أن أكثرهما أصول مخرجة على قولهم وعندي أن المسألة القائلة بأن الخاص مبين ولا يلحقه البيان وأن الزيادة نسخ وأن العام قطعي كالخاص وأن لا ترجيح بكثرة الرواة وأنه لا يجب العلم بحديث غير الفقيه إذا انسد به باب الرأي وأن لا عبرة بمفهوم الشرط والوصف أصلا وأن موجب الأمر هو الوجوب البتة وأمثال ذلك أصول مخرجة على كلام الأئمة وأنه لا تصح بها رواية عن أبي حنيفة وصاحبيه وأنه ليست المحافظة عليها والتكلف في جواب ما يرد عليها من صنائع المتقدمين في استنباطهم كما يفعله البزدوي وغيره أحق من المحافظة على خلافها والجواب عما يرد عليه)

۲۲- دیکھیے: محمد زاہد الکوثری، **حسن التقاضي في سيرة الإمام أبى يوسف القاضي**، (کراچی: ناشر ندارد، ۱۴۰۳ھ)، ۹۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نشان دہی کر دیتے ہیں اور جہاں وہ اپنے ائمہ کی فروعیات سے استنباط نہیں کرتے، وہاں وہ اصول یا قاعدہ مذہب حنفی کے دیگر فقہا، مثلاً جیسے کرخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کی ذاتی راے سے ماخوذ ہوتا ہے۔

۳۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اگرچہ استنباط احکام کے اصول و قواعد تفصیلاً منقول نہیں ہیں، تاہم آپ سے استدلال کے بعض عمومی قواعد ضرور نقل ہوئے ہیں، چناں چہ آپ کے مناقب وغیرہ پر لکھنے والوں نے ان مصادر و ادلہ کا ذکر کیا ہے جن پر آپ نے اپنی فقہ کی بنیاد رکھی ہے۔[۲۳]

راقم الحروف کی اس سلسلے میں راے یہ ہے کہ اصولِ حدیث کے باب میں خبرِ واحد کے رد و قبول کے حوالے سے متاخر حنفی اصولیوں نے جن اصولوں کا اپنے مؤسسین کی طرف انتساب کیا ہے، وہ انتساب بنیاد اور اغلبیت کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے؛ اس لیے کہ مؤسسین نے اگرچہ فقہی اجتہادات میں اپنے تمام تر اصولوں کو مرتب و مدون شکل میں پیش نہیں کیا، لیکن ان کے اجتہادات میں کارفرما یہ اصول ان کے پیش نظر ضرور ہوتے تھے، جن کا بعض جگہ وہ اظہار بھی کر دیتے تھے (جیسا کہ آئندہ سطور میں اس کی مثالیں ذکر کی جائیں گی)، لیکن جہاں وہ اس کا اظہار نہیں کر سکے، وہاں ان کے اقوال و آرا اور طرز استدلال سے ان اصولوں کا استخراج بھی کیا گیا جو یقیناً ایک اجتہادی کوشش تھی اور متاخر حنفی اصولیوں نے یہ کوشش نہایت دیانت داری سے انجام دی ہے، تاہم اس کوشش میں بعض جگہ ان سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے، اور عملی طور پر خود حنفی اصولیوں کے ہاں بھی اس حوالے سے اختلافات موجود ہیں، جن کی آئندہ صفحات میں نشان دہی بھی کی جائے گی۔

عراقی فقہا (یعنی مؤسسین فقہ حنفی) نے خبر واحد کے ردّ و قبول کے سلسلے میں قائم کردہ اپنے اصولوں کو بھرپور استعمال کیا اور وہ روایات جو ان اصولوں پر پورا نہ اترتیں، انھیں وہ مردود قرار دیتے تھے، خواہ دیگر اہل علم (مثلاً ان کے معاصر حجازی، یا شامی علما یا امام شافعی اور ان کے بعد کے محدثین) کے قائم کردہ معیار کے مطابق وہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ قرار پاتی ہوں۔ چناں چہ اسی وجہ سے ان کے مخالفین نے ان پر اعتراضات بھی کیے، جیسا کہ ابن عبدالبر اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں: "كثير من أهل الحديث استجازوا الطعن على أبي حنيفة لرده كثيرا من أخبار الآحاد العدول لأنه كان يذهب في ذلك إلى عرضها على ما اجتمع عليه من

۲۳۔ محمد ابوزہرہ، أبو حنيفة: حياته و عصره (قاہرہ: دار الفكر العربي ۱۹۶۰ء)، ۳۳۲–۴۳۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الأحاديث ومعاني القرآن فما شذ عن ذلک، رده وسماه شاذا."[۲۴] (بہت سے محدثین نے امام ابو حنیفہؒ پر اس لیے طعن جائز سمجھا کہ آپ نے عادل راویوں سے مروی بہت سی احادیث آحاد کو رد کیا ہے۔ انھیں رد کرنے کی وجہ [آپ کے پیش نظر] یہ تھی کہ آپ انھیں دیگر متفق علیہ احادیث اور معانی قرآن پر پیش کرتے اور جو روایت ان کے مقابلے میں شاذ ہوتی اسے آپ رد کر دیتے اور شاذ کی اصطلاح سے موسوم کرتے۔)

اہم اور مختلف فیہ اصولوں کا تجزیہ

عراقی فقہا کے قبول روایت کے سلسلے میں بعض اصول تو ایسے تھے جن سے دیگر اہل علم نے بھی اتفاق کیا (جیسے راوی کا مسلمان اور عادل و ضابط اور بالغ ہونا، وغیرہ)، مگر بعض اصول ایسے تھے جن سے دیگر اہل علم بالخصوص بعد کے محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ یہ مختلف فیہ اصول دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنھیں عراقیوں نے روایات کی قبولیت کے لیے استعمال کیا ہے جیسے یہ اصول کہ "مجہول راوی کی روایت مقبول ہے بہ شرطے کہ اس سے بیان کرنے والا ثقہ ہو"۔[۲۵] اسی طرح یہ اصول کہ "مرسل (منقطع) روایت بالاتفاق مقبول ہے بہ شرطے کہ اس کا راوی قرون ثلاثہ سے تعلق رکھتا ہو"۔[۲۶]

دوسری قسم کے مختلف فیہ اصول وہ تھے جنھیں عراقیوں نے روایت کے مردود ہونے کا معیار قرار دیا اور انھیں اصولوں کی وجہ سے حافظ ابن عبد البر کے بہ قول وہ بعض حلقوں میں مورد الزام بھی ٹھہرائے گئے۔[۲۷]

۲۴۔ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر، **الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء** (بیروت: دار الكتب العلمية، س، ن)، ۱:۱۴۹۔ نیز: ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، **الموافقات في أصول الشريعة** (قاہرہ: دار ابن عفان، ۱۹۹۷ء)، ۳:۲۴۔ اسی طرح شبلیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف ان اصولوں کے استعمال کی نسبت کرتے ہوئے یہ بات لکھی ہے: "فن حدیث میں سب سے بڑا کام ابو حنیفہؒ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کیے اور ان کو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا"۔ شبلی نعمانی، **سیرۃ النعمان** (کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، س،ن)، ۱۹۰۔

۲۵۔ صاحبین کی کتابوں میں اس کی تائید میں بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

۲۶۔ السرخسی، **أصول**، ۲: ۱۱۳–۳۶۳

۲۷۔ ابن عبد البر، **الانتقاء**، ۱:۱۴۹۔ بعض معاصر اہل علم (مثلاً شبلی نعمانی، تقی امینی وغیرہ) نے اسے "اصول درایت" اور بعض (مثلاً رفعت فوزی (مؤلف: **توثيق السنة**) وغیرہ) نے "متن کی توثیق کے اصول" سے تعبیر کیا ہے۔ ان اصولوں کی تفصیل آگے عنوان نمبر ۳ کے تحت ملاحظ کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضوع کی مناسبت سے آئندہ سطور میں صرف انہی چند اہم اور مختلف فیہ اصولوں کو اختصار کے ساتھ زیر بحث لایا جائے گا اور صاحبین کی کتابوں کی روشنی میں ان اصولوں کی صحتِ انتساب کے حوالے سے بات کی جائے گی۔

راقم کی تحقیق کے مطابق خبرِ واحد سے متعلق درج ذیل اصولوں کی امام ابو حنیفہ اور صاحبین کی طرف نسبت ثابت ہے:

۱۔ مرسل روایت کا حجت ہونا

۲۔ خیر القرون کے مجہول راوی کی روایت معتبر ہونا (چند شرائط کے ساتھ)

۳۔ خبر واحد معناً منقطع ہو (یعنی وہ دیگر ادلّہ سے متعارض ہو) تو اس کا شاذ یعنی ضعیف ہونا۔ (اس اصول کے تحت درج ذیل چند اور ضمنی اصول بھی ہیں: یعنی خبر واحد کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ: ا۔ کتاب اللہ سے متعارض نہ ہو، ۲۔ نہ ہی سنت مشہورہ سے متعارض ہو، ۳۔ نہ ہی عموم بلویٰ کی قبیل سے ہو، ۴۔ اور نہ ہی اس خبر واحد کی صورت یہ ہو کہ اس سے ضرورت کے باوجود صحابہ نے استدلال نہ کیا ہو یا صحابہ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہو)۔

مذکورہ اصولوں کے علاوہ اس ضمن میں کچھ اور اصول بھی بیان کیے جاتے ہیں، مثلاً:

۱۔ قیاس سے متعارض روایت کا راوی اگر غیر فقیہ ہے تو اس کی روایت مردود ہے۔

۲۔ خبر واحد اگر حدود کے باب سے ہے، تو وہ قابل قبول نہیں۔

۳۔ خبر واحد اگر موجبات عقل کے منافی ہے، تو وہ قابل قبول نہیں۔

ان اصولوں کے بارے میں راقم کی رائے یہ ہے کہ ان کا انتساب متاخر حنفی اصولیوں کی استخراجی کوششوں پر مبنی ہے اور اس میں سے بعض کی نسبت تو صریح طور پر غلط معلوم ہوتی ہے، بالخصوص یہ اصول کہ "قیاس سے متعارض روایت کا راوی اگر غیر فقیہ ہے تو اس کی روایت مردود ہے۔"[۲۸]

۲۸۔ ان اصولوں کے ضمن میں امام کرخی نے غلو کرتے ہوئے اپنی طرف سے ایک یہ اصول بھی فقہ حنفی میں متعارف کرانے کی کوشش کی کہ جو آیت یا حدیث (نص) ہمارے اصحاب (ائمۂ حنفیہ) کے اقوال کے منافی ہوگی اسے نسخ پر محمول کیا جائے گا، لیکن یہ اصول جگہ نہ پاسکا۔ معاصر محقق بلتاجی نے اس اصول کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ کرخی کی زندگی میں زندہ ہو کر آجاتے تو وہ اس اصول سے براءت کا اظہار کرتے۔ اس لیے کہ کرخی شاید یہ سمجھ بیٹھے کہ ائمہ سے کوئی اجتہادی غلطی نہیں ہوئی، حالاں کہ یہ بات بدیہی طور پر غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد بلتاجی، **مناهج التشريع الإسلامي في القرن الثاني الهجري** (رياض: جامعة الإمام محمد بن سعود، ۱۹۷۷ء)، ۱: ۲۷–۲۸۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئندہ صفحات میں ان اصولوں سے متعلقہ اہم نکات کو زیر بحث لایا جائے گا۔

امام ابو حنیفہ اور صاحبین سے ثابت شدہ اصول

۱۔ مرسل روایت سے استدلال

مرسل بنیادی طور پر منقطع السند روایت ہوتی ہے۔ سند کا یہ انقطاع اگر ایسی جگہ سے ہو جہاں سے آخری راوی روایت کی نسبت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر رہا ہو، مگر اس نے وہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ سنی ہو، خواہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو مگر اس نے کسی اور صحابی کے واسطے سے وہ حدیث سنی ہو اور اس واسطے کو حذف کر کے روایت کر رہا ہو، تو یہ روایت مرسل کہلائے گی۔[۲۹] اگر تو ارسال کرنے والا راوی صحابی ہو تو پھر صحابی کی مرسل روایت جمہور اہل علم کے ہاں معتبر ہے، کیوں کہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں۔[۳۰]

ارسال کا تعلق صحابی کی نسبت تابعی کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے، اس لیے علومِ حدیث میں مرسل روایت سے بالعموم وہ روایت مراد لی جاتی ہے جس میں ایک تابعی شخص صحابی کا واسطہ ذکر کیے بغیر یوں کہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، یا یہ کیا ہے۔[۳۱]

حنفیہ اور دیگر اصولیوں کے ہاں مرسل سے مراد وہ روایت ہے جس میں ایک عادل راوی جس کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے روایت کرے[۳۲] اور جب ارسال کرنے والا صحابی نہ ہو بلکہ تابعی یا تبع تابعی ہو، تو کیا اس کی مرسل روایت حجت ہو گی یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم کی تین مختلف آرا ہیں:

۲۹۔ السیوطی، تدریب، ۱: ۱۹۵۔

۳۰۔ جیسا کہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ولا خلاف بين العلماء في مراسيل الصحابة رضي الله عنهم أنها حجة؛ لأنهم صحبوا رسول الله ﷺ فما يروونه عن رسول الله ﷺ مطلقا يحمل على أنهم سمعوه منه أو من أمثالهم، وهم كانوا اهل الصدق والعدالة“ (السرخسی، أصول، ۱: ۳۷۹)۔

۳۱۔ السیوطی، مصدرِ سابق۔

۳۲۔ دیکھیے: الآمدی، الإحکام، ۱: ۲۷۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ ایک راے یہ ہے کہ مرسل روایت ضعیف ہے۔ جمہور محدثین، اصولیین اور بہت سے فقہا کی یہی راے ہے۔[۳۳]

۲۔ دوسری راے یہ ہے کہ مرسل روایت صحیح اور قابل حجت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی، مشہور قول کے مطابق، یہی راے ہے۔[۳۴]

۳۔ تیسری راے یہ ہے کہ مرسل روایت چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے۔ یہ راے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی ہے۔[۳۵]

صاحبین کی تالیفات میں روایات کا بڑا حصہ مرسل کی قبیل سے ہے،[۳۶] اس لیے کہ انھوں نے مرسل روایات سے بہت زیادہ استدلال کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں مرسل روایت کو معتبر سمجھا گیا ہے، خواہ مرسل روایت تابعی کبیر سے ہو یا تابعی صغیر سے یا ان کے بعد کے علما وفقہا (تبع تابعین وغیرہ)۔[۳۷] جن مقامات پر مرسل روایات سے ائمۂ حنفیہ نے استدلال کیا ہے ان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خیر القرون

۳۳۔ السیوطی، مصدرِ سابق، ۱۹۸– ۱۹۹۔

۳۴۔ نفس مصدر۔ نیز دیکھیے: السرخسی، أصول، ۱: ۳۷۰–۳۷۳؛ نیز: ۳۷۹۔ فقہاے حنفیہ کے ہاں مرسل کے سلسلے میں مزید ضمنی مباحث بھی ہیں جن سے اختصار کی غرض سے تعرض نہیں کیا جارہا۔

۳۵۔ السیوطی، مصدرِ سابق۔

۳۶۔ مرسل روایات سے استدلال کی چند مثالوں کے لیے دیکھیے: یعقوب بن ابراہیم ابویوسف رحمہ اللہ (م ۱۸۲ھ)، **کتاب الخراج**، (قاہرہ: المطبعة السلفية، ۱۳۸۲ھ)، ۱۰، ۴۹، ۱۰۱، ۱۳۱، ۱۵۶، ۱۷۳؛ محمد بن حسن الشیبانی، **المبسوط**، (حیدر آباد دکن، لجنة إحياء المعارف النعمانية، ۱: ۴۳۳؛ ۲: ۱۵۳–۱۲۸۔

۳۷۔ صاحبین اور ان کے شیخ کے ہاں مرسل روایات سے استدلال اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ان کے ہاں مرسل روایت کو حجت تسلیم کیا گیا ہے، لیکن ان سے اس سلسلے میں کوئی شرائط وضوابط منقول نہیں کہ کس نوعیت کی مرسل سے استدلال درست اور کس سے درست نہیں ہے، چناں چہ متاخر حنفی اصولیوں کا اس سلسلے میں کچھ (ضمنی نوعیت کا) اختلاف ہوا ہے، یعنی بعض نے کہا کہ صرف وہ مرسل ہمارے ائمہ کے ہاں حجت ہے جس کا راوی خیر القرون سے تعلق رکھتا ہو اور خود بھی ثقہ ہو، بعض نے کہا کہ خیر القرون کے بعد کے ثقہ راوی کی مرسل روایت بھی ائمہ کے ہاں حجت ہے، جب کہ بعض نے کہا کہ خیر القرون کے بعد کے راوی، خواہ وہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو، کی مرسل حجت نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: عبد المجید الترکمانی، **دراسات في أصول الحديث على منهج الحنفية**، (کراچی: کتبة السعادة، ۲۰۰۹ء)، ۳۸۱–۳۸۶۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے معتبر اور ثقہ علما کی مراسیل کو بالعموم قبول کرتے تھے اور اس کے پیچھے غالباً یہ خیال کار فرما تھا کہ ان ثقہ علما سے یہ توقع ہرگز نہیں ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے۔[۳۸] اس وجہ سے خیر القرون کے ثقہ اہل علم کی مراسیل ظاہری طور پر سند کے منقطع ہونے (یعنی انقطاع صوری) کے باوجود مسند روایت کے درجے میں سمجھی جاتی تھی اور سند کے انقطاع میں جو راوی حذف / ساقط ہوتے انھیں ثقہ ہی تصور کیا جاتا، اس خیال سے کہ ارسال کرنے والا جب ثقہ ہے تو یقیناً اس نے ثقہ راویوں ہی سے وہ روایت سنی ہو گی۔ اس خیال کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ ابراہیم نخعی سے کہا گیا کہ جب آپ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو اس کی سند بھی بیان کیا کریں تو آپ نے کہا کہ جب میں سند بیان نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ روایت بہت سے لوگوں سے سنی ہے اور جب میں نے کسی ایک سے روایت سنی ہو تو پھر اس کا نام لے کر اسے روایت کرتا ہوں۔[۳۹] یعنی آپ اس روایت میں ارسال کرتے ہیں جہاں بہت سے راویوں نے اسے روایت کیا ہو اور اس طرح گویا آپ کے نزدیک وہ نہایت مستند روایت ہوتی ہے، لہٰذا آپ اس کے راویوں کا سلسلہ سند بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراسیل کو اکثر و بیشتر اہل علم نے حجت تسلیم کیا ہے، جیسا کہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کی مراسیل مجھے شعبی کی مراسیل سے زیادہ محبوب ہیں۔[۴۰]

۳۸۔ اسی اطمینان کی وجہ سے یہ حضرات بعض روایات کی سند حذف کر کے بلاغات کے انداز میں بھی حدیث کو نقل کر دیتے تھے، اسی لیے صاحبین کی کتابوں میں بلاغات بہت زیادہ ہیں۔ یہ بلاغات محض اس انداز سے نہیں ہیں کہ یہ خود اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ بلغنی / بلغنا، بلکہ اپنے شیوخ کے حوالے سے بھی بلغہ کے ساتھ روایت نقل کر دیتے تھے، مثلاً ابو یوسف امام مالکؒ سے روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”حدثنا مالک بن أنس أنه بلغه عن النبی ﷺ...“ (یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف، الخراج، (قاہرہ: المطبعة السلفية، ۱۳۸۲ء) ۱۰۴۔)

۳۹۔ محمد بن سعد بن منیع (م ۲۳۰ھ)، کتاب الطبقات الکبیر (بیروت: دار الصادر، س ن)، ۶: ۲۷۲؛ احمد بن علی ابن حجر، (م ۸۵۲ھ)، تہذیب التہذیب (بیروت: دار صادر س ن)، ۱: ۱۵۵۔

۴۰۔ ابن حجر، تہذیب، ۱: ۱۵۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیگر اکابر فقہا مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، امام اوزاعی، وغیرہ نے بھی مرسل روایت سے استدلال کیا ہے[۴۱] مگر امام شافعی غالباً وہ پہلے فقیہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے عراقی فقہا پر اس اصول کے اختیار کرنے پر تنقید کی اور بعد میں محدثین نے بھی اس مسئلے میں آپ کی پیروی کی، بلکہ بعض محدثین نے تو آپ سے بھی زیادہ شدت اختیار کی اور مرسل کی کسی صورت کو بھی انھوں نے قبول نہیں کیا۔[۴۲]

۲۔ مجہول راوی کی روایت سے استدلال

مجہول راوی کی تین بڑی اقسام ہیں:

۱۔ ظاہری اور باطنی ہر دو اعتبار سے مجہول راوی

۲۔ باطنی اعتبار سے مجہول (اسے مستور بھی کہا جاتا ہے)

۳۔ مجہول العین۔[۴۳]

عراقی فقہا کا حدیث کی قبولیت کے سلسلے میں دوسرا اصول جس پر بعد کے محدثین نے کافی نقد کیا، یہ ہے کہ ان کے ہاں مندرجہ بالا تینوں اقسام کے مجہول راوی کی روایت، اگر صحت حدیث کے دیگر اصولوں پر پورا اترے تو وہ قابل قبول سمجھی جاتی تھی اور اس میں کسی راوی کا مجہول ہونا مضر نہیں سمجھا جاتا تھا، تاہم وہ اس بات کا اہتمام بالعموم کرتے تھے کہ اس مجہول راوی کی روایت کو قبول کریں جس سے بیان کرنے والا خود ثقہ ہو[۴۴] اور جب روایت کرنے والا خود ثقہ ہو گا تو عراقی فقہا کے خیال میں یہ امکان بہت کم ہے کہ وہ کسی جھوٹے اور متروک سے روایت کرے گا، بلکہ ظن غالب یہی ہے کہ وہ مجہول بھی ثقہ ہی ہو گا۔

۴۱۔ جیسا کہ امام ابو داؤدؒ نے اس سلسلے میں اہل مکہ کے نام اپنے رسالے میں لکھا ہے: أما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى مثل سفيان الثوري، ومالک، والأوزاعي حتى جاء الشافعي فتكلم فيها وتابعه على ذلک أحمد بن حنبل وغيره۔ (دیکھیے: محمد بن موسیٰ حازمی، **شروط الأئمة الخمسة** (کراچی: نور محمد اصح المطابع)، ۴۵)۔

۴۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: رفعت فوزی، **توثيق السنة في القرن الثاني الهجري** (مصر: مكتبة الخانجي، ۱۹۸۱ء)، ۲۶۹۔

۴۳۔ نفس مصدر، ۱۵۵۔

۴۴۔ اس کی تائید ان مقامات کے مطالعے سے ہو سکتی ہے جہاں پر صاحبین نے حدثني ثقة، یا شیخ، یا عالم وغیرہ کہہ کر حدیث کی روایت کی ہے، مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اصول کے اختیار کرنے کی وجہ سے صاحبین (بالخصوص امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ[۴۵]) کی کتابوں میں بہت سی ایسی روایات دکھائی دیتی ہیں جن کے راوی مجہول ہیں۔ امام ابویوسف نے خود بھی اور ان کے شیخ نے بھی بہت سے مقامات پر مجہول راویوں سے روایت کی ہے، اس کی چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ کریں:

۱- اپنے شیخ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ آپ لکھتے ہیں: "حدثنا أبوحنيفة عمن حدثه عن عمر بن الخطاب..."[۴۶]

۲- اسی طرح اپنے ایک اور شیخ ابومعشر سے روایت نقل کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: "وحدثنا أبو معشر عن أشياخه رفعه إلى النبيﷺ..."[۴۷]

۳- گھوڑوں اور غلاموں کی زکاۃ سے متعلق ایک روایت کے حوالے سے آپ لکھتے ہیں: "وقد روينا عن رسول اللهﷺ ما نقله إلينا رجال معروفون أنه قال..."[۴۸]

۴- اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک مکتوب سے متعلق روایت کی سند ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: "حدثني إسرائيل عن أبي إسحاق قال حدثني من قرأ كتاب عمر إلى النعمان."[۴۹]

۵- ایک جگہ لکھتے ہیں: "حدثني شيخ من علما أهل الشام قد أدرك الناس عن عروة بن رويم قال كتب عمر بن الخطاب..."[۵۰]

۴۵- اس لیے کہ امام محمد سے کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے خیال ہوتا ہے کہ ان کی رائے اس مسئلے میں شیخین سے کچھ مختلف رہی ہے، دیکھیے: بلتاجی، مناهج التشريع، ۱:۳۰۱۔

۴۶) ابویوسف، کتاب الخراج، ۱۲۰۔

۴۷- نفسِ مصدر۔

۴۸- نفسِ مصدر، ۷۷۔

۴۹- نفسِ مصدر، ۳۴۔

۵۰- نفسِ مصدر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶- **نیز لکھتے ہیں:** ”حدثني بعض المشايخ المتقدمين يرفع الحديث إلى النبيﷺ أنه...“[۵۱]

۷- ”حدثني شيخ من علماء البصرة عن عوف بن أبي جميلة قال كتب عمر بن عبد العزيز...“[۵۲]

۸- ”حدثني شيخ من علماء أهل الشام...“[۵۳]

۹- ”حدثني شيخ من علماء البصرة عن...“[۵۴]

۱۰- ”حدثني شيخ من علماء أهل الكوفة...“[۵۵]

پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اہل علم کے ہاں حدثني شيخ یا ثقة وغیرہ کے الفاظ کہہ کر مجہول راوی سے روایت کرنا بالعموم عیب نہیں سمجھا جاتا تھا،[۵۶] لیکن امام شافعی اور دیگر محدثین نے اس اصول کی بنیاد پر

۵۱- نفسِ مصدر، ۱۲۵۔

۵۲ - نفسِ مصدر، ۱۳۰۔

۵۳- نفسِ مصدر، ۱۱۷۔

۵۴- نفسِ مصدر، ۱۳۰۔

۵۵- نفسِ مصدر، ۱۳۱۔ امام ابویوسفؒ نے **کتاب الخراج** میں ۲۷ مقامات پر حدثنی شیخ ... حدثنا بعض مشايخنا... وغیرہ کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ ان مقامات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ۶، ۷، ۹، ۱۳، ۱۵، ۴۷، ۵۶، ۵۷، ۶۲، ۷۰، ۸۱، ۱۰۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۷۵، ۱۹۶، ۲۰۵، ۲۱۵، ۲۱۶۔

۵۶- امام مالکؒ کی **مؤطا** میں بھی اس سلسلے میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ نیز ابویوسف کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

(خلیفۂ وقت نے آپ سے شام اور الجزیرۃ کی فتح کی معلومات کے لیے سوال کیا تھا، جس کا جواب دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:) ”امیر المومنین! آپ نے شام اور الجزیرۃ کی فتح کے بارے میں اور ان علاقوں میں جن مقامات کے باشندوں سے صلح کی گئی تھی، ان کے ساتھ صلح کی شرائط کے بارے میں دریافت کیا ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ میں نے یہ سوال ’حیرہ‘ [بعض نسخوں کے مطابق ’الجزیرۃ‘] کے رہنے والے ایک استاذ کو جو الجزیرۃ اور شام اور ان کے مفتوح ہونے کی کیفیت سے بہ خوبی واقف تھے، کو لکھ بھیجا تھا، انھوں نے مجھے اس سلسلے میں یہ جواب بھیجا ہے: ’اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ شام اور الجزیرۃ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عراقی فقہا پر کافی تنقید کی ہے[۵۷] کیوں کہ غالباً ان کے خیال میں اس اصول کو مان لینے سے بہت سی ضعیف روایتوں کو گویا صحیح تسلیم کر لیا جائے گا، نیز فتنہ پرور لوگوں کے لیے اس اسلوب کے ساتھ جھوٹی روایتیں گھڑنے کا دروازہ کھل جائے گا۔ محدثین بھی بالعموم امام شافعی کی رائے سے متفق ہیں۔[۵۸]

۳۔ خبر واحد معناً منقطع نہ ہو (یعنی وہ دیگر ادلّہ سے متعارض نہ ہو)

عراقی فقہا کی طرف منسوب تیسرا اہم اور مختلف فیہ اصول یہ ہے کہ خبر واحد معناً منقطع نہ ہو، یعنی خبر واحد:

۱۔ کتاب اللہ سے متعارض نہ ہو،

۲۔ نہ ہی سنت مشہورہ سے متعارض ہو

۳۔ نہ ہی عموم بلویٰ کی قبیل سے ہو

۴۔ اور نہ ہی اس خبر واحد کی صورت یہ ہو کہ اس سے ضرورت کے باوجود صحابہ نے استدلال نہ کیا ہو، یا صحابہ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہو۔[۵۹]

اگر خبر واحد مذکورہ اصولوں میں سے کسی ایک کے بھی معارض ٹھہرتی تو عراقی فقہا اس خبر واحد کو رد کر دیتے تھے۔ متاخر حنفی اصولیوں نے اسے انقطاع باطنی / معنوی سے تعبیر کیا ہے، تاہم مؤسسین فقہ سے یہ اصطلاح تو نہیں ملتی، لیکن ان شرائط وضوابط کی موجودگی اور ان کے استعمال کی بہت واضح مثالیں ان کے ہاں موجود ہیں۔ صاحبین کی تصنیفات میں سے اس حوالہ سے پائی جانے والی بحث کی کچھ تفصیل ذیل میں ملاحظہ کریں:

(ا) خبر واحد قرآن،

بارے میں اپنی تمام معلومات جمع کر کے تمھیں ارسال کر رہا ہوں۔ یہ معلومات ایسی نہیں جنھیں میں نے فقہا سے (معلوم کر کے) محفوظ رکھا ہو اور نہ ان کا ذریعہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے فقہا کا حوالہ دے کر یہ معلومات مجھ سے بیان کی ہیں بلکہ یہ معلومات ایسے لوگوں سے ملی ہیں جنھیں ان امور کا عالم تسلیم کیا جاتا ہے۔ میں نے ان میں سے کسی سے یہ دریافت نہیں کیا کہ ان کو یہ معلومات کن راویوں کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں۔ (ابو یوسف، مصدرِ سابق، ۳۹)

۵۷ – دیکھیے: محمد بن ادریس الشافعی، الأم (بیروت: دار المعرفۃ، س،ن)، ۷: ۳۳۳ –۳۶۸۔

۵۸۔ صحیحین میں اسی وجہ سے مجہول راویوں سے کوئی روایت نہیں لی گئی۔

۵۹ – معلوم ہوا کہ یہ اصول کہ "خبر واحد معناً منقطع نہ ہو (یعنی وہ دیگر ادلّہ سے متعارض نہ ہو)"، دراصل کئی ضمنی اصولوں کا مجموعہ ہے جسے حنفی اصولیوں نے انقطاع باطنی / معنوی اور بعض معاصرین نے "اصول درایتِ حدیث" سے تعبیر کیا ہے۔ نیز متاخرین نے ان اصولوں پر مزید اضافے بھی کیے ہیں جن کی تفصیل آگے متن میں آ رہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) اور سنت معروفہ سے متعارض نہ ہو

یہ قاعدہ اور اصول کہ خبر واحد قرآن اور سنت معروفہ کے خلاف نہیں ہونی چاہیے، اس کا تذکرہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جگہ کیا ہے،[۶۰] مثلاً امام اوزاعی پر ایک مسئلے میں رد کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

والرواية تزداد كثرة ويخرج منها ما لا يعرف ولا يعرفه أهل الفقه ولا يوافق الكتاب ولا السنة فإياک وشاذ الحديث وعليک بما علية الجماعة من الحديث وما يعرفه الفقهاء وما يوافق الكتاب والسنة فقس الأشياء على ذلک فما خالف القرآن فليس عن رسولﷺ وإن جاءت به الرواية... فاجعل القرآن والسنة المعروفة لک إماما قائدا واتبع ذلک وقس عليه ما يرد عليک مما لم يوضح لک في القرآن والسنة.[۶۱]

روایتوں کی کثرت ہو جائے گی اور ان میں سے وہ چھانٹی ہو جائیں گی جو غیر معروف ہیں اور جنھیں فقہا نہیں جانتے اور جو قرآن اور سنت سے موافقت نہیں رکھتیں۔ پس آپ کو شاذ حدیث سے بچنا چاہیے اور وہی حدیث لینی چاہیے جس پر جماعت [علما] کا اتفاق ہو' اور جسے فقہا پہچانتے ہیں اور جو قرآن و سنت سے موافق ہیں۔ اور پھر ایسی حدیثوں پر باقی مسائل کے لیے قیاس کرنا چاہیے۔ اور جو حدیث قرآن کی مخالفت کرے اس کے بارے میں سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست نہیں ہو سکتی' خواہ اسے (بہ طریق سند) روایت ہی کیوں نہ کیا گیا ہو... پس قرآن اور سنت معروفہ کو اپنا امام اور قائد بنایئے' اور اسی کی اتباع کیجیے اور اسی پر اپنے پیش آمدہ ان مسائل کو قیاس کیجیے جن کی توضیح آپ قرآن و سنت میں نہیں پاتے۔

مذکورہ بالا اصول پر دلائل

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے خلاف قرآن اور خلاف سنت معروفہ و مشہورہ روایت کے مردود ہونے کے اصول پر درج ذیل دلائل بھی ذکر کیے ہیں:

۱۔ اس سلسلے میں پہلی دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے:

۶۰۔ اس اصول کی بنیادیں امام نخعی اور امام ابوحنیفہ سے بھی ملتی ہیں (دیکھیے: رفعت فوزی، **توثیق السنة**، ۶۰،۵۹، ۲۸۹؛ ترکمانی، دراسات، ۲۵)، لیکن راقم نے صاحبین کی کتابوں سے مثالیں نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

۶۱۔ ابویوسف، **الرد على سير الأوزاعي** (کراچی: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، ۱۴۲۱ھ)، ۳۱-۳۲۔ واضح رہے کہ اس اصول پر امام شافعیؒ نے خوب نقد بھی کیا ہے۔ دیکھیے: **الأم**، ۷: ۳۶۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدثنا ابن أبي كريمة [٦٢] عن أبي جعفرعن رسول الله ﷺ أن دعا اليهود فيسألهم فحدثوه حتى كذبوا على عيسى عليه الصلاة والسلام فصعد النبيﷺ المنبر فخطب الناس فقال إن الحديث سيشفو عني فما أتاكم عني يوافق القرآن فهو عني وما أتاكم عني يخالف القرآن فليس عني.

(امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ابن ابی کریمہ نے ابو جعفر کے حوالے سے ہمیں حدیث بیان کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہودیوں کو بلایا اور ان سے کچھ سوال کیے جن کے جواب دیتے ہوئے یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ باندھے۔ تو نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے اور لوگوں سے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: بے شک میری طرف منسوب احادیث کی کثرت ہو جائے گی، پس جو حدیث تمہارے پاس پہنچے اور وہ قرآن سے موافقت رکھتی ہو اسے قبول کر لو اور جو حدیث قرآن سے مخالفت رکھتی ہو، تو (اس کے بارے میں یاد رکھو کہ) میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو قرآن کے خلاف ہو۔[٦٣]

۲۔ **امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں دوسری دلیل یہ روایت پیش کی ہے:**

حدثني مسعر بن كدام والحسن بن عمارة عن عمرو بن مرة عن أبى البحتري عن على بن أبي طالب رضي الله عنه أنه قال إذا أتاكم الحديث عن رسول الله ﷺ فظنوا أنه الذي هو أهدى والذي وهو أتقى والذي هو أحيا.

(ہمیں مسعر بن کدام[٦٤] اور حسن بن عمارہ[٦٥] نے عمرو بن مرہ[٦٦] سے اور انھوں نے ابو البختری[٦٧] سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا: جب تمھیں اللہ کے رسول ﷺ

٦٢۔ ابن ابی کریمہ کا نام خالد بن میسرۃ اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ آپ کو امام احمد، ابن معین اور ابو داؤد وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے اور ابو جعفر سے مراد امام محمد باقر ہیں جن کی مراسیل حنفیہ کے ہاں حجت ہیں، دیکھیے: ابو یوسف، **الرد**، ۲۴-۲۵، بہ ذیل حاشیہ از: ابو الوفاء افغانی۔

٦٣۔ ابو یوسف، نفسِ مصدر، ۲۵۔ واضح رہے کہ اس حدیث کو امام شافعی نے غیر مقبول قرار دیا ہے، دیکھیے: **الأم**، ۷: ۳۶۰۔

٦٤۔ مسعر بن کدام (م ۱۵۳ھ) کوفہ کے کبار علما اور ثقہ راویوں میں سے ہیں۔ (ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ)، **میزان الاعتدال** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۵ء)، ۶: ۴۰۹)۔

٦٥۔ حسن بن عمارۃ (۱۵۳ھ) کوفہ کے اکابر فقہا میں سے تھے مگر روایت حدیث میں آپ کو ضعیف بلکہ متروک بھی کہا گیا، نیز آپ پر وضع حدیث کا الزام بھی ہے۔ (نفسِ مصدر، ۲: ۲۶۲-۲۶۳)۔

٦٦۔ عمرہ بن مرہ (م ۱۱۶ھ) کوفہ کے کبار علما میں سے ہیں۔ ابن معین، ابو حاتم وغیرہ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (نفسِ مصدر، ۵: ۳۴۶)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کوئی حدیث پہنچے تو یاد رکھو کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ ہدایت یافتہ، سب سے بڑھ کر متقی اور سب سے زیادہ شرم وحیاوالے تھے۔)[۶۸]

اس حدیث سے وجہ استدلال غالباً یہ ہے کہ یہاں نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیے ہیں، وہ قرآن مجید میں اور سنت معروفہ میں بھی ایسے ہی بیان ہوئے ہیں، لہٰذا اگر کوئی ایسی روایت جو آں حضرت ﷺ کے ان اوصاف کے منافی معلوم ہو، اسے قبول نہیں کیا جائے گا کیوں کہ آپ جیسی صاحب ہدایت، صاحب تقویٰ اور صاحب حیاذات سے ایسی حدیث کا صدور محال ہے جو قرآن کے اصول واحکام کے منافی ہو۔

۳۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں تیسری دلیل یہ روایت پیش کی ہے:

حدثنا أشعث بن سوار وإسماعيل بن أبي خالد عن الشعبي عن قرظة بن كعب الأنصاري رضي الله عنه أنه قال أقبلت في رهط من الأنصار إلى الكوفة فشيعنا عمر بن الخطاب رضي الله عنه يمشي حتى انتهينا إلى مكان قد سماه ثم قال هل تدرون لم مشيت معكم يا معشر الأنصار قالوا نعم لحقنا قال إن لكم الحق ولكنكم تأتون قوما لهم دوي بالقرآن كدوي النحل فأقلوا الرواية عن رسول الله ﷺ وأنا شريككم فقال قرظة لا أحدث حديثا عن رسول الله ﷺ أبدا.[۶۹]

(ہمیں اشعث بن سوار[۷۰] اور اسماعیل بن ابی خالد[۷۱] نے شعبی سے اور انھوں نے قرظہ بن کعب انصاری[۷۲] سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا: میں انصار کے ایک گروہ کے ساتھ جب کوفہ آنے کے لیے (مدینہ سے) روانہ ہوا تو

۶۷۔ ابوالبختری کا نام سعید بن فیروز (م ۸۳ھ) ہے۔ آپ تابعین میں سے ہیں، آپ کو حافظ ذہبی نے صدوق قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا ہے کہ آپ کی صرف وہ روایات مقبول ہیں جو سماع کے ساتھ ہیں اور جو عنعنہ کے ساتھ ہیں وہ ضعیف شمار ہوں گی، اس لیے کہ آپ تدلیس کرتے تھے۔ (نفسِ مصدر، ۷:۳۳۲)۔

۶۸۔ ابویوسف، **الرد**، ۲۹۔

۶۹۔ نفسِ مصدر، ص ۳۰۔

۷۰۔ اشعث بن سوار کوفہ (م ۱۳۰ھ) کے کبار علما میں سے ہیں۔ آپ کو زیادہ اہل علم نے ثقہ اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ذہبی، **میزان الاعتدال**، ۱:۴۲۷–۴۲۸)۔

۷۱۔ اسماعیل بن ابی خالد (۱۴۶ھ) بھی کوفہ کے کبار اور ثقہ علما میں سے ہیں۔ (ابویوسف، **الرد**، (بذیل حاشیہ از: ابوالوفاء افغانی)، ۳۰)۔

۷۲۔ قرظہ بن کعب الانصاری، صحابہ میں سے ہیں۔ (نفسِ مصدر)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دور تک ہمارے ساتھ چلے، پھر ہم سے مخاطب ہو کر پوچھا: اے انصار کی جماعت! معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیوں چل کر آیا ہوں؟، انصار کے ان لوگوں نے کہا: جی ہاں، اس لیے کہ یہ ہمارا حق تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں یہ تمھارا حق تھا، اور سنو، تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو قرآن کو بہت خوب صورتی سے پڑھتے ہیں۔ تم ان کے سامنے اللہ کے رسول کی احادیث کم بیان کرنا اور میں بھی تمھارا ساتھی ہوں۔ قرظہ کہتے ہیں میں تو کبھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیث بیان نہیں کروں گا۔)

۴، ۵۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں چوتھی اور پانچویں دلیل کے طور پر یہ دو آثار پیش کیے ہیں:

كان عمر رضي الله عنه فيما بلغنا لا يقبل الحديث عن رسول الله ﷺ إلا بشاهدين ولولا طول الكتاب لأسندت الحديث لک وكان على بن أبي طالب رضي الله عنه لا يقبل الحديث عن رسول الله ﷺ.[۷۳]

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث دو گواہوں کے بغیر قبول نہیں کرتے تھے۔ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ کتاب طویل ہو جائے گی، تو میں سند کے ساتھ ان روایات کو یہاں نقل کرتا۔ اور حضرت علی بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے (جب تک کہ راوی اس پر قسم نہ اٹھاتا)۔

۶۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں چھٹی دلیل یہ روایت پیش کی ہے: ”حدثنا الثقة عن رسول الله ﷺ أنه قال في مرضه الذي مات فيه إني لا أحرم ما حرم القرآن۔“[۷۴] (ہمیں ثقہ راوی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا: میں بھی انھیں چیزوں کو حرام قرار دیتا ہوں جنھیں قرآن حرام قرار دیتا ہے۔)

ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ان دلائل کو ذکر کرنے کے بعد امام اوزاعی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: ”فاجعل القرآن والسنة المعروفة لک إماما قائدا واتبع ذلک وقس عليه ما يرد عليک مما لم يوضح

۷۳۔ ابو یوسف، الرد، ۳۱۔

۷۴۔ نفسِ مصدر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لک في القرآن والسنة.“[۷۵] (پس قرآن اور سنت معروفہ کو اپنا امام اور قائد بنائیے، اور اسی کی اتباع کیجیے اور اسی پر اپنے پیش آمدہ ان مسائل کو قیاس کیجیے جن کی توضیح آپ قرآن و سنت میں نہیں پاتے۔)

مذکورہ دو اصولوں (خبر واحد قرآن اور سنت معروفہ کے خلاف نہ ہو) کا تجزیہ

معلوم ہوا کہ یہ دو اصول ائمۂ مؤسسین سے منقول ہیں اور انھوں نے پورے شرح صدر سے انھیں استعمال کیا ہے اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ اصول بعض صحابہ نے بھی استعمال کیے ہیں اور صحابہ کا ان اصولوں کو استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اصول سند سے متعلق نہیں بلکہ متن سے متعلق ہیں، کیوں کہ صحابہ کے ہاں اگر اس اصول کی بنیادیں موجود ہیں تو پھر سند کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے عراقی فقہا ان اصولوں سے متعارض خبر واحد کو رد کر دیتے تھے خواہ اس کی سند کتنے ہی ثقہ راویوں پر مشتمل کیوں نہ ہو۔ یہی صورت حال اس اصول کے سلسلے میں بعد کے حنفی اصولیوں کے ہاں بھی پائی جاتی ہے، چناں چہ تمام حنفی اصولیوں نے اس اصول کو تسلیم کیا اور اسے استعمال کیا۔[۷۶]

دیگر ائمہ میں سے امام مالک کے حوالے سے بعض محققین کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے بھی اس اصول کو استعمال کیا ہے،[۷۷] جب کہ بعض ائمہ، خاص طور پر امام شافعی نے اس اصول کے سلسلے میں بھرپور نقد کیا ہے اور اسے ایک غلط اصول قرار دیا ہے[۷۸] (مبادا کہ لوگ روایات کو خلاف قرآن قرار دے کر رد کرنے لگیں) اور ان دلائل کی کم زوری کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو ابو یوسف نے اس سلسلے میں پیش کیے ہیں۔[۷۹]

۷۵۔ نفسِ مصدر۔

۷۶۔ سوائے معروف حنفی اصولی علی بن محمد حسین بزدوی کے بھائی ابوالیسر بزدوی کے۔ دیکھیے: ترکمانی، **دراسات**، ۲۶۲۔

۷۷۔ لیکن کلی طور پر یا جزوی طور، اس حوالے سے اختلاف رائے موجود ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے: عبد المجید، **الاتجاهات الفقهية عند أصحاب الحديث في القرن الثالث الهجري** (قاہرہ: مكتبة الخانجي، ۱۹۷۹ء)، ۱:۱۵۶؛ رفعت فوزی، **توثيق السنة**، ۲۹۸۔

۷۸۔ امام شافعی سے پہلے بھی بعض علمانے اہل مدینہ کے پس منظر میں اس اصول پر نقد کیا ہے، دیکھیے: رفعت فوزی، **توثیق**، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۹۸، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۸۱۔

۷۹۔ دیکھیے: الشافعي، **الأم**، ۷: ۳۶۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام شافعی کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جب خبر واحد ثقہ عن ثقہ ثابت ہو جائے تو پھر وہ اپنی ذات میں خود ایک اصول ہے[۸۰] اور اسے خلاف قرآن یا خلاف سنت مشہورہ ثابت کر کے رد کرنے کی بجائے تطبیق کی راہ نکالنی چاہیے،[۸۱] چناں چہ آپ کے دلائل سے متاثر ہو کر بعد کے محدثین نے بھی اس سلسلے میں عراقیوں رحنفیوں کی بجائے آپ کی پیروی کی ہے۔[۸۲]

(۳) خبر واحد عموم بلویٰ کی قبیل سے نہ ہو

متاخر حنفی اصولی ایسی خبر واحد کو جو عموم بلویٰ کی قبیل سے ہو 'شاذ' روایت قرار دیتے ہوئے رد کر دیتے ہیں جیسا کہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی خبر واحد جو عموم بلویٰ سے تعلق رکھتی ہو، مگر اس کے باوجود مشہور نہ ہوئی ہو، شاذ قرار دے کر مردود قرار دیا ہے[۸۳] اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ہمیں یہ بات تو ملتی ہے کہ آپ شاذ روایت کو قبول نہیں کرتے تھے، مگر امام ابویوسف کے نزدیک شاذ روایت سے مراد کون سی روایت ہے، اس سلسلے میں ان کے درج ذیل اقتباسات کے بعد اس پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے:

۱۔ **کتاب الرد** میں ایک مقام پر امام اوزاعی پر نقد کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: "فإیاک وشاذ الحدیث وعلیک بما علیه الجماعة من الحدیث وما یعرفه الفقهاء وما یوافق الکتاب والسنة فقس الأشیاء علی ذلک."[۸۴] (پس آپ کو شاذ حدیث سے بچنا چاہیے اور وہی حدیث لینی چاہیے جس پر جماعت (علما) کا اتفاق ہو اور جسے فقہا پہچانتے

۸۰۔ رفعت فوزی، توثیق، ۳۸۱۔

۸۱۔ تاہم بعض صورتوں بالخصوص تعارض کے وقت خود امام شافعی نے بھی اس اصول کو اہمیت دی ہے، دیکھیے: رفعت فوزی، توثیق، ۳۰۷۔

۸۲۔ دیکھیے: عبدالمجید، الاتجاهات، ۱:۱۹۴–۲۰۸۔ عبدالمجید کے بہ قول امام بخاری بھی اس اصول کی طرف مائل دکھائی دیتے ہیں، اور انھوں نے امام بخاری سے اس سلسلے میں بعض مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔

۸۳۔ السرخسی، أصول، ۱:۳۶۴۔

۸۴۔ ابویوسف، الرد، ۳۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اور جو قرآن و سنت سے موافق ہیں۔ اور پھر ایسی حدیثوں پر باقی مسائل کے لیے قیاس کرنا چاہیے)۔

۲۔ اسی طرح ایک اور مسئلے میں امام اوزاعی کی دلیل پر نقد کرتے اور انھیں مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فعليک من الحديث بما تعرفه العامة وإياک والشاذ منه."[۸۵] (آپ کو چاہیے کہ انہی احادیث کو بنیاد بنائیں جنھیں سبھی (فقہا) جانتے ہیں اور شاذ روایتوں سے اجتناب کریں۔)

۳۔ اسی طرح گھوڑوں کو مال غنیمت سے حصہ دینے سے متعلقہ مسئلہ کو زیر بحث لاتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: "لم يبلغنا عن رسول الله ﷺ ولا عن أحد من أصحابه أنه أسهم للفرسين إلا حديث واحد وكان الواحد عندنا شاذا لا نأخذ به."[۸۶] (ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ان کے صحابہ میں سے کسی سے ایسی کوئی حدیث نہیں پہنچی کہ دو گھوڑوں کو حصہ دیا گیا ہو، البتہ اس سلسلے میں صرف ایک ہی حدیث مروی ہے اور ایک حدیث ہمارے نزدیک شاذ ہوتی ہے، جسے ہم قبول نہیں کرتے۔)

۴۔ یہی بات ایک اور حدیث کے بارے میں جسے امام اوزاعی نے ایک مسئلے میں اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا تھا' آپ نے اس طرح کہی ہے: "وقد بلغنا من هذا ما قال الأوزاعي، وهو عندنا شاذ والشاذ من الحديث لا يؤخذ به." (اوزاعی نے اس سلسلے میں جو کچھ (بہ طور دلیل) کہا ہے، ہمیں بھی وہ دلیل پہنچی ہے، لیکن وہ ہمارے نزدیک شاذ ہے اور شاذ حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔)[۸۷]

مذکورہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ آپؒ کے نزدیک شاذ روایت سے مراد وہ روایت ہے:

۱۔ جو قرآن کے خلاف ہو۔

۲۔ جو سنت معروفہ کے خلاف ہو۔

۸۵۔ نفس مصدر، ۴۲۔

۸۶۔ نفس مصدر، ۴۱۔

۸۷۔ نفس مصدر، ۱۰۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ جو عموم بلویٰ کی قبیل سے ہو مگر اسے درجہ شہرت یا تواتر حاصل نہ ہوا ہو۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اصول زیادہ صراحت کے ساتھ منقول ہے چناں چہ سورۃ الحج میں دو سجدوں کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت پر نقد کرتے ہوئے اس اصول کو آپ نے اس طرح استعمال کیا ہے:

”هكذا روي عن عمر وليست العامة عندنا على ذلك وإنما روي هذا عمر بن الخطاب رجل من أهل مصر ولو كان معروفا مشهورا من فعل عمر لعرفه من كان مع عمر بالمدينة ومن أتى بها من الآفاق ولكان هذا مشهورا معروفا من فعله.“[88] (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے جب کہ ہمارے ہاں عام لوگوں کا عمل اس پر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صرف ایک مصری آدمی نے بیان کی ہے، حالاں کہ حضرت عمر کے حوالے سے اگر یہ مشہور و معروف بات ہوتی تو اسے وہ لوگ ضرور جانتے ہوتے جو آپ کے ساتھ مدینہ میں رہے اور یہ روایت حضرت عمر کے حوالے سے مشہور ہو چکی ہوتی۔)

اس اصول کا تجزیہ

مذکورہ بالا اصول کے حوالے سے بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ مؤسسین سے منقول نہیں، بلکہ امام کرخی کا بنایا ہوا اصول ہے، لیکن زیادہ تر اصولیوں نے اسے مؤسسین کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی بات درست ہے[89]۔ دیگر اہل علم میں سے مالکیہ سمیت بہت سے اہل علم نے اس اصول کو قبول کیا ہے،[90] لیکن امام شافعی اور آپ سے متاثر محدثین نے اس اصول کی تردید کی ہے[91]

۸۸۔ محمد بن حسن الشیبانی، كتاب الحجة على أهل المدينة، (حیدر آباد دکن: مطبعة المعارف الشرقية، ۱۹۶۵ء)، ۱۰۸:۱

۸۹۔ دیکھیے: بلتاجی، مناهج التشريع، ۳۱۰:۱۔ بلتاجی بیان کرتے ہیں کہ جن روایات کو امام ابو حنیفہ نے رد کیا ہے، ان کا میں نے بہ نظر عمیق مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ نے اس اصول کو ان روایات کی تضعیف کے سلسلہ میں استعمال کیا ہے۔

۹۰۔ دیکھیے: ترکمانی، دراسات، ۳۱۴، ۳۱۵؛ رفعت فوزی، توثیق، ۳۴۵۔

۹۱۔ دیکھیے: عبد المجید، الاتجاهات، ۲۴۹:۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴) خبر واحد ایسی نہ ہو جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو

متاخر حنفی اصولیوں کے ہاں اس اصول کی دو صورتیں ملتی ہیں:

۱۔ خود صحابی اس حدیث کا راوی ہو، لیکن اس کا عمل اپنی ہی روایت کے خلاف ہو۔

۲۔ راوی کوئی ایک صحابی ہو مگر دیگر صحابہ میں سے کسی ایسے صحابی کا عمل اس روایت کے خلاف ہو جس کے بارے میں یہ امکان نہ ہو کہ وہ حدیث اس صحابی سے مخفی رہی ہو گی۔

ان دونوں صورتوں میں ان کے یہ قول ضروری ہے کہ ایسی روایت کو نسخ پر محمول کیا جائے، لیکن اگر نسخ کی تاریخ معلوم نہ ہو تو پھر لامحالہ راوی سے اس روایت میں غلطی ہوئی ہے اور یہ چیز اس روایت کو منقطع (یعنی معناً یا باطناً منقطع) بنا دیتی ہے، ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صحابہ حدیث پر عمل کے سلسلے میں مداہنت کرتے تھے، حالاں کہ یہ قطعی غلط ہے۔[۹۲]

سرخسی کے علاوہ بعض اور حنفی اصولیوں نے بھی صراحت کی ہے کہ وہ خبر واحد جس کے خلاف صحابہ کا عمل ثابت ہو، شاذ کہلاتی ہے، جیسا کہ ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں عیسیٰ بن ابان کے حوالے سے شاذ روایت اس خبر واحد کو قرار دیا ہے جسے صحابہ میں سے کسی نے روایت کیا ہو مگر باقی صحابہ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہو۔[۹۳]

اس اصول کا تجزیہ

کیا یہ اصول مؤسسین فقہ حنفی کے ہاں موجود ہے یا نہیں؟ اس انتساب کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ حنفی اصولی، (عیسیٰ بن ابان، ابو بکر جصاص، سرخسی وغیرہ[۹۴]) تو اصول کے انتساب کو درست مانتے ہیں جب کہ بعض محققین اس کا انتساب درست قرار نہیں دیتے۔[۹۵] راقم کو صاحبین کی کتابوں میں اس اصول کے حوالے سے کوئی

۹۲۔ السرخسی، أصول، ۲-۶: ۲۰۵۔

۹۳۔ مثلاً دیکھیے: احمد بن علی الرازی الجصاص، **الفصول في علم الأصول** (کویت: وزارة الأوقاف)، ۳:۳۱۱۔

۹۴۔ السرخسی، أصول، ج۱، ص ۳۷۴، ۳۷۹۔

۹۵۔ مثلاً عبد المجید کی رائے میں امام محمد اس اصول کو اسی طرح نہیں مانتے جس طرح امام شافعی نہیں مانتے، دیکھیے: **الاتجاهات**، ۱:۳۰۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی واضح مثال نہیں ملی کہ جس سے اس کے انتساب کے بارے میں قطعی رائے قائم کی جاسکے، لیکن امام شافعی نے چوں کہ ائمۂ حنفیہ پر اس اصول کے استعمال پر نقد کیا ہے،(۹۶) اس لیے اس سے اس نقطۂ نظر کو تقویت ملتی ہے کہ اس کا انتساب امام ابو حنیفہ اور صاحبین کی طرف درست ہے۔

فقہاے حنفیہ کے علاوہ مالکیہ نے بھی اس اصول کو استعمال کیا ہے، جب کہ امام شافعی، جمہور محدثین اور امام ابن حزم نے اس اصول پر نقد کیا ہے۔(۹۷)

امام ابو حنیفہ اور صاحبین کی طرف منسوب محل نظر اصول

اخبار احاد کے رد و قبول کے اصولوں کے سلسلے میں شروع میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ ائمۂ حنفیہ کی طرف ان اصولوں میں سے بعض کا انتساب متاخر حنفی اصولیوں کی استخراجی کوششوں پر مبنی ہے اور اس ضمن میں بعض اصولوں کا انتساب صریح طور پر غلط معلوم ہوتا ہے۔ اختصار کی غرض سے یہاں بہ طور نمونہ اس اصول کہ ”قیاس سے متعارض روایت کا راوی اگر غیر فقیہ ہے تو اس کی روایت (خبر واحد) مردود ہے“ کو زیر بحث لایا جارہا ہے۔

قیاس (۹۸) اور خبر واحد کے متعارض ہونے کی صورت میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے گا، اس سلسلے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ کی فقہی آرا کو مد نظر رکھتے ہوئے بعد کے حنفی فقہا اور اصولیوں نے دو

۹۶- آپ نے اپنی تصنیفات میں کئی جگہ اس اصول پر نقد کیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں: ويعلم أن الحديث إذا رواه الثقات عن رسول الله صلى الله عليه و سلم فذلك ثبوته وأن لا نعول على حديث ليثبت إن وافقه بعض أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم ولا يرد لأن عمل بعض أصحاب رسول الله عملا يخالفه لأن بأصحاب رسول الله والمسلمين كلهم حاجة إلى أمر رسول الله صلى الله عليه و سلم وعليهم اتباعه لا أن شيئا من أقاويلهم تبع ما روي عنه ووافقه يزيد قوله شدة ولا شيئا خالفه من أقاويلهم يوهن ما روى عنه الثقة (دیکھیے: شافعی، **اختلاف الحدیث**، (بیروت: دار الکتب الثقافیة، ۱۹۸۵ء)، ۵۰۵؛ وہی مصنف، **الأم**، ۱:۱۵۱)

۹۷- تفصیل کے لیے دیکھیے: عبد المجید، **الاتجاهات**، ۱:۲۵۴۔ عبد المجید کے بہ قول محدث ابو داؤد نے دیگر محدثین کے برعکس اس اصول کو استعمال کیا ہے، چناں چہ آپ نے اس ضمن میں ان سے بعض مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف نقطۂ نظر اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ راوی اگر قلیل الفقہ یا غیر فقیہ ہو تو اس کی روایت کو قیاس کے مقابلے میں رد کر دیا جائے گا اور دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ روایت اگر بقیہ شرائط صحت پر پورا اترتی ہو تو اسے کسی طور بھی رد نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے معارض قیاس کو رد کر دیا جائے گا۔

پہلا نقطۂ نظر (قیاس کو خبر واحد پر ترجیح)

اس نقطۂ نظر کے قائلین میں عیسیٰ بن ابان، امام بزدوی اور امام سرخسی وغیرہ شامل ہیں، جیسا کہ عبد العزیز بخاری **کشف الأسرار** میں متعلقہ بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں: "قیاس کے مقابلے میں خبر واحد کو ترجیح دینے کے لیے اس کے راوی کے فقیہ ہونے کی شرط لگانا عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے۔ قاضی ابوزید[۹۹] نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور حدیث مصراۃ اور حدیث عرایا کو اسی کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ پھر ان کے بعد اکثر متأخرین حنفیہ نے اس رائے کو اختیار کر لیا ہے"۔[۱۰۰]

دوسرا نقطۂ نظر (خبر واحد کو قیاس پر ترجیح)

زیر بحث مسئلے میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خبر واحد اور قیاس میں تعارض کی صورت میں خبر واحد کو بہر صورت قیاس پر مقدم رکھا جائے گا، بہ شرطے کہ خبر واحد دیگر شرائط صحت پر پورا اترتی ہو۔ محققین کے بہ قول یہ نقطۂ نظر ہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب و تلامذہ کا ہے جیسا کہ امام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید میں علامہ عبد

۹۸– یہاں قیاس سے قیاس فقہی مراد ہے، قیاس کلی، یا قاعدہ کلیہ یا قیاس منطقی مراد نہیں ہے۔ نیز وہ کون سی صورت ہے جب قیاس اور خبر واحد میں تعارض کی وجہ سے مذکورہ اختلاف پیدا ہوتا ہے، اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: مبشر حسین، "خبر واحد اور قیاس: باہمی تعارض کی صورت میں صاحبین اور حنفی اصولیوں کا زاویہ نظر"، مجلہ **الاضواء**، لاہور، ۲۵: ۳۳، (جون ۲۰۱۰)، ۹۱–۱۱۸۔

۹۹– بعض اہل علم کے بہ قول قاضی دبوسی کا نقطۂ نظر اس کے برعکس ہر حال میں خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دینے کا ہے، چناں چہ آپ **تأسیس النظر** میں فرماتے ہیں: "وہ قسم یا صورت جس میں امام مالک اور ہمارے ائمۂ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارے ائمۂ ثلاثہ کا اصول یہ ہے کہ جو حدیث خبر واحد کے طور پر ہم تک پہنچے گی وہ قیاس صحیح پر مقدم ہے، جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیاس صحیح خبر واحد پر مقدم ہے ذ۔ (دیکھیے: مصطفیٰ سعید الخن، **قواعد اصولیہ میں فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اس کا اثر**، (مترجم: حبیب الرحمن) (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی)، ۴۲۱)۔

۱۰۰– بخاری، کشف، ۳۸۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العزیز بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس نکتے کو واضح کیا ہے۔ آپ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بحث کی ہے اور راوی کے قلیل الفقہ ہونے کی صورت میں اس کی روایت کو رد کرنے کے اصول کو من گھڑت قرار دیا ہے، چناں چہ اس حوالے سے آپ فرماتے ہیں:

یہ اصول (جو علامہ بزدوی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش فرمایا ہے) ہمارے اصحاب سے قطعاً منقول نہیں ہے بلکہ ان سے (اس کے برعکس) صرف یہ منقول ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے، البتہ اس کی تفصیل کے بارے میں ان سے کچھ بھی مروی نہیں ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث پر ہمارے اصحاب نے عمل کیا ہے حالاں کہ یہ حدیث قیاس کے مخالف ہے، حتی کہ امام ابو حنیفہؒ نے یہاں تک کہہ دیا کہ "لولا الروایة لقلت بالقیاس" (اس سلسلے میں اگر یہ روایت نہ ہوتی تو میں قیاس سے کام لیتا)۔ اسی طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے 'امالی' کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مصراۃ پر عمل کیا اور اسی بنا پر مشتری کے لیے حق خیار کو تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تو یہ بھی منقول ہے کہ "ما جاء نا عن اللہ والرسول فهو علی الرأس و العین." (اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے جو کچھ ہمارے پاس آئے وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔) یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے کسی سے بھی روایت کی صحت کے لیے راوی کے فقیہ ہونے کی شرط منقول نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ بات بعد میں گھڑی گئی ہے۔[۱۰۱]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور کبار فقہاے حنفیہ کا موقف وہی ہے جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کر رہے ہیں تو پھر فقہاے حنفیہ نے زیر بحث بعض اخبار آحاد کو رد کیوں کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان حدیثوں پر ہمارے اصحاب کے عمل نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے راوی فقاہت کی نعمت سے محروم ہیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ حدیثیں کتاب اللہ یا سنت مشہورہ کے خلاف ہیں، چناں چہ حدیث مصراۃ کتاب و سنت کے ظاہر کے خلاف ہے جیسا کہ ہم نے واضح کیا ہے۔ اسی طرح حدیث عرایا سنت مشہورہ کے خلاف ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ "التمر بالتمر مثل بمثل کیل بکیل." (کھجور کے بدلے کھجور کا سودا تب درست ہے جب یہ ایک جیسی اور برابر برابر ہوں۔) ہم یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہیں تھے، بلکہ آپ فقیہ تھے اور اجتہاد کے لوازمات میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی جو آپ میں نہ ہو۔ آپ عہد صحابہ میں فتویٰ دیتے تھے حالاں کہ اس زمانے میں غیر فقیہ اور غیر مجتہد کے فتویٰ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اور محبوب ترین صحابی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں حافظے کی دعا فرمائی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے بخشا حتی کہ آپ کا اور آپ کی روایات کا شہرہ چہار سو پھیل گیا۔ اسحاق حنظلی بیان کرتے ہیں کہ ہماری راے میں احکامی احادیث کی

۱۰۱۔ نفسِ مصدر، ۲: ۳۸۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعداد تین ہزار ہیں جن میں سے پندرہ سو روایات تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہیں۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کی اولاد میں سے سات سے زائد لوگوں نے آپ سے روایت کیا ہے اور صحابہ کی بھی ایک جماعت نے آپ سے روایت کیا ہے۔ اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو قیاس کے مقابلے میں رد کرنے کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔[۱۰۲]

یہی موقف دیگر حنفی اصولیوں کا بھی ہے جیسا کہ عبد العزیز بخاری لکھتے ہیں کہ "شیخ ابو الحسن کرخی اور ہمارے وہ اصحاب جنھوں نے ان کی پیروی کی ہے، ان کے نزدیک خبر واحد کی قیاس پر ترجیح کے لیے راوی کا فقیہ ہونا کوئی شرط نہیں ہے بلکہ ہر راوی کی روایت قابل قبول سمجھی جائے گی اور اسے قیاس پر ترجیح دی جائے گی، بہ شرطے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔ ابو الیسر کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا رجحان یہی ہے"۔[۱۰۳]

اسی طرح حافظ ابن ہمام الدین فرماتے ہیں: "اذا تعارض خبر الواحد والقیاس بحیث لا جمع قدم الخبر مطلقًا عند الأکثر." (جب حدیث اور قیاس میں تعارض ہو جائے اور دونوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو پھر حدیث کو مطلقاً قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔ اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے۔)[۱۰۴]

امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ (م۵۸۷ھ) کا بھی یہی موقف ہے، چناں چہ آپ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہ ٹوٹنے کی بحث میں فرماتے ہیں کہ "یہ چیز روزے کے رکن کی حیثیت رکھتی ہے کہ حالت روزہ میں کھانے پینے اور جماع سے اجتناب کیا جائے... اب قیاس کی رو سے فیصلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اجتناب نہیں کرتا، خواہ بھول کر ہی سہی، تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے، اس لیے کہ روزے کے رکن کے منافی چیز موجود ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک کہا کہ اگر لوگوں کا طعن نہ ہوتا تو میں بھی (قیاس کے بموجب) یہی کہتا کہ ایسا شخص قضا دے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ کہیں گے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں (حدیث) کی مخالفت کی ہے تو میں قیاس کے مطابق بات کرتا لیکن ہم نص کی موجودگی میں قیاس کو ترک کرتے ہیں۔ اور وہ نص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'جس نے بھول کر کھا پی لیا، وہ اپنا روزہ پورا کرے، پس اسے اللہ نے کھلایا پلایا ہے'۔... امام

۱۰۲- نفس مصدر۔

۱۰۳- نفس مصدر۔

۱۰۴- محمد بن عبد الواحد ابن ہمام الدین، **تیسیر التحریر** (مصر: مطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي وأولاده، ۱۳۵۱ء)، ۳۵۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: 'بھولنے والے پر قضا نہیں ہے، اس لیے کہ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اثر مروی ہے، گو کہ قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ قضا لازم آئے، لیکن اثر کی پیروی قیاس سے اولیٰ ہے بہ شرطے کہ اثر صحیح ہو'۔ اس حدیث کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے، اس لیے اس میں کسی کو طعن (جرح) کا حق نہیں پہنچتا اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث کے بڑے ماہر تھے، نے بھی اس سلسلے میں نقد کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ یہ حدیث شاذ نہیں ہے کہ ہم اسے رد کرنے کی جرأت کریں۔"[۱۰۵]

واضح رہے کہ بہت سے معاصر محققین مثلاً علامہ شبلی نعمانی، ابو زہرہ، وھبہ الزحیلی وغیرہ، کا رجحان عام طور پر دوسرے نقطۂ نظر ہی کی نمائندگی کرتا ہے۔[۱۰۶]

قیاس اور خبر واحد کے بارے میں صاحبین کا نقطۂ نظر

صاحبین کی تالیفات کے مطالعے سے اس نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے کہ آپ حضرات خبر واحد اور قیاس کے تعارض کی صورت میں خبر واحد کو ترجیح دیتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کا راوی فقیہ ہے یا نہیں۔ اور صرف خبر واحد ہی نہیں، بلکہ ایسی مثالیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں کہ آپ آثار صحابہؓ سے متعارض قیاس کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ ذیل میں اس سلسلے کی چند اہم مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں۔

۱۔ اگر مشرکوں کا کوئی آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جائے اور اس کی لاش مسلمانوں کے قبضہ میں ہو تو مسلمان اس لاش کو قیمتاً مشرکوں کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مالِ غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے یہ رائے دی ہے کہ "اس میں کوئی حرج نہیں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ غیر مسلموں کے مالوں پر غصباً قبضہ کرنا مسلمانوں کے لیے (جنگ میں) جائز ہے تو پھر اگر وہ اپنا مال خوشی سے دے رہے ہوں تو یہ بالا ولیٰ جائز اور حلال ہو گا۔"[۱۰۷]

لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "میں اسے ناپسند کرتا ہوں اور اس سے منع بھی کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حربی یا غیر حربی کافروں کو شراب، خنزیر، مردار اور خون وغیرہ بیچیں، کیوں کہ اس سلسلے میں ہمارے پاس وہ روایت ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ہمیں ابن ابی لیلیٰ نے

۱۰۵– ابو بکر بن مسعود کاسانی، **بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع** (بیروت: دار الکتب العلمیة،۱۹۸۶ء)،۲: ۲۶۲۔

۱۰۶– تفصیل کے لیے دیکھیے: مبشر حسین، "خبر واحد اور قیاس"، ۹۱-۱۱۸۔

۱۰۷– ابو یوسف، **کتاب الخراج**،۱۹۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بروایت حکم، بروایت مقسم، بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کی کہ ایک مشرک خندق میں گر کر مر گیا تو مسلمانوں کو اس کی لاش کے عوض مال پیش کیا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا تو آپؐ نے انھیں (لاش کے بدلے پیسے لینے سے) منع کر دیا۔"[۱۰۸]

معلوم ہوا کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے پیش نظر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس کو ترک کیا اور ان کے برعکس موقف اختیار کیا ہے۔

۲۔ اگر قاضی یا حاکم وقت کسی کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتا یا شراب پیتا دیکھ لے تو کیا وہ اس پر حد نافذ کرنے کا مجاز ہے یا گواہوں کی موجودگی اور شہادت بھی ضروری ہے؟ اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہوئے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

اگر امام یا اس کا ماتحت حاکم اپنی آنکھوں سے کسی شخص کو چوری کرتے یا شراب پیتے یا زنا کرتے دیکھ لے تو صرف اپنے مشاہدہ کی بنا پر اس کے لیے اس شخص پر حد جاری کرنا مناسب نہیں ہے حتیٰ کہ یہ جرم اس کے سامنے گواہی کے ذریعے ثابت نہ ہو جائے۔ یہ رائے استحسان کی بنیاد پر ہے اور اس استحسان کا سبب ایک اثر ہے جو اس مسئلے میں ہمیں معلوم ہوا ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ (امام یا حاکم کے مشاہدہ کی بنا پر) حد جاری کی جا سکتی ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہمیں اسی مسلک کی روایت بیان کی گئی ہے (جو ہم نے اختیار کیا ہے۔)[۱۰۹]

معلوم ہوا کہ یہاں آپ نے آثار صحابہؓ کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر دیا ہے۔

۳۔ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے جیسا کہ احادیث میں بیان ہوا ہے۔ اس حکم میں مردوں پر قیاس کرتے ہوئے عورتیں بھی شمار سمجھی جانی چاہئیں مگر امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں ایک اثر صحابی کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا ہے جیسا کہ ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"فأما المرأة إذا ارتدت عن الإسلام فحالها مخالف لحال الرجل ، نأخذ في المرتدة به قول عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ فإن أبا حنيفةؒ حدثني عن عاصم بن أبي رزين عن ابن عباسؓ قال: لا يقتل النساء إذا هن ارتددن عن الإسلام ولكن يحبسن ويدعين إلى الإسلام ويجبرن عليه." (اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کا معاملہ مرد کے معاملہ سے مختلف ہو گا۔ مرتد عورت کے معاملہ میں ہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق رائے اختیار کرتے ہیں جیسا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں بروایت

۱۰۸۔ نفس مصدر۔

۱۰۹۔ نفس مصدر، ۱۷۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عاصم بن ابی رزین، بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں اسلام سے مرتد ہو جائیں تو انھیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ انھیں قید کر دیا جائے گا اور انھیں اسلام کی دعوت دی جاتی رہے گی اور اسلام قبول کر لینے پر انھیں مجبور کیا جاتا رہے گا)۔[۱۱۰]

۴- روزے کی حالت میں بھول کر کھاپی لینے کے بیان میں (باب الرجل یأكل أو یشرب ناسیا)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اہل مدینہ نے یہ بات کیسے کہہ دی کہ بھول کر کھانے پینے والے پر قضا ہے، جب کہ ہم نے کسی (عالم) کو یہ کہتے نہیں سنا اور اس بارے میں جو آثار مروی ہیں اور جس پر لوگوں کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ جس نے بھول کر کھاپی لیا تو اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔ اور اہل مدینہ جانتے ہیں کہ وہ روایات جنھیں کوئی رد نہیں کر سکتا، کے ہوتے ہوئے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ رائے (قیاس) کو اختیار کرے۔ اور اسی لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "لولا ما جاء في هذا من الآثار لأمرت بالقضاء." (اگر اس مسئلے میں یہ روایات نہ ہوتیں تو میں بھی (روزہ دار کو روزہ کی) قضا کا حکم دیتا۔) (پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کا ایک اعتراض اس سلسلے میں نقل کرتے ہیں کہ) اہل مدینہ کہتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں عمداً اس کا قصد کرے تو وہ ناقض روزہ ہو اور عمداً اس کا قصد نہ ہو تو پھر وہ ناقض روزہ نہ ہو؟ انھیں کہا جائے گا کہ ہاں ہے اور وہ ایک روایت ہے جسے تم نے (بھی) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی کو قے (خود بخود) آجائے تو اس پر قضا لازم نہیں اور اگر وہ عمداً قے کرے تو پھر قضا لازم ہے۔ پس اس مسئلے میں اور اس سے پچھلے مسئلے میں (قیاس کے مقابلہ میں) آثار ہی کی پیروی کی جانی چاہیے۔"[۱۱۱]

زیر بحث مسئلے میں یہ بڑی واضح مثال ہے، اس لیے کہ ازروئے قیاس بھول کر کھانے پینے سے بھی روزہ ٹوٹنا چاہیے اور اس کی قضا لازم آنی چاہیے مگر خبر واحد کی رو سے ایسی صورت میں نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ قضا لازم آتی ہے۔ یہ خبر واحد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے بعض حنفی اصولیوں نے قلیل الفقہ یا غیر فقیہ قرار دیا ہے۔ اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حضرت ابوہریرہ رحمۃ اللہ علیہ غیر فقیہ ہوتے یا کسی غیر فقیہ کی خبر واحد قیاس سے معارض ہونے کی صورت میں قابل رد ہوتی تو یہاں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو ضرور رد کر دیتے اور اس کی وجہ بھی بتا

۱۱۰- نفس مصدر، ۱۸۰۔

۱۱۱- الشیبانی، کتاب الحجۃ، ۱: ۳۹۲-۳۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے۔ مگر اس کے برعکس ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس خبر واحد کے معارض قیاس کو رد کیا ہے۔ اور اپنے شیخ کا بھی اس سلسلے میں یہی نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔

پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف پر اہل مدینہ کی طرف سے ایک اور قیاسی اعتراض نقل کر کے اس کا جواب بھی اثر کی روشنی میں دیا ہے کہ 'اس مسئلے میں اور اس سے پچھلے مسئلے میں (قیاس کے مقابلہ میں) آثار ہی کی پیروی کی جانی چاہیے'۔

۵- امام محمدؒ نماز میں قہقہہ (باب الضحک في الصلاة) میں لکھتے ہیں: "اہل مدینہ کہتے ہیں کہ نماز میں قہقہہ لگانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے کیوں کہ یہ گفتگو کی طرح ناقض صلاۃ ہے، البتہ اس سے وضو کا اعادہ لازم نہیں آتا۔ پھر آپ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "لولا ما جاء من الآثار كان القياس على ما قال أهل المدينة ولكن لا قياس مع أثر وليس ينبغي ألا أن ينقاد للآثار." (اگر اس مسئلے میں روایات نہ ہوتیں تو قیاس کی رو سے وہی رائے ہوتی جو اہل مدینہ کی ہے، مگر روایت کی موجودگی میں قیاس نہیں ہوتا اور ایسی صورت میں صرف اور صرف یہی بات زیبا ہے کہ روایات کی پیروی کی جائے)[۱۱۲]

پھر اس کے بعد آپ نے ان روایات کو باسند نقل کیا ہے جن کے مقابلے میں آپ نے قیاس کو ترک کرنے کی بات کی ہے۔ اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ آپ نے ایسے موقع پر کہ جہاں اخبار اور قیاس کا واضح تعارض پیدا ہو رہا ہے، راوی کے فقیہ یا غیر فقیہ ہونے کے حوالے سے کوئی قید ذکر نہیں کی، بلکہ جن روایات کو استدلال کے لیے نقل کیا ہے ان میں ایک حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی اور دوسری ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل روایت ہے اور باقی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے آثار ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے، جس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک قیاس اگر اثر صحابی کے مخالف ہو تو وہاں بھی اثر کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔[۱۱۳]

حاصل بحث

حنفی فقہا نے حدیث بالخصوص خبر واحد کے ردّ و قبول کے کچھ اصول قائم کیے ہیں، جن کا بڑا حصہ مؤسّسین (یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین) سے صراحت کے ساتھ منقول ہے، تاہم بعض اصولوں (جن میں

۱۱۲- نفس مصدر، ص ۲۰۴۔

۱۱۳- مزید مثالوں کے لیے دیکھیے: مبشر حسین، "خبر واحد اور قیاس"، ۹۱-۱۱۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ائمہ مؤسّسین سے صراحت نہیں تھی اور متأخر حنفی اصولیوں نے ان کا استخراج کیا)، کے مؤسّسین کی طرف انتساب میں اختلاف بھی ہے۔ دیگر اہل علم بالخصوص امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اصولوں پر نقد کیا ہے اور محدثین بالعموم آپ کی تنقید سے متاثر ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں قیاس اور خبر واحد میں تعارض کی صورت میں صاحبین کی طرف منسوب درست نقطۂ نظر یہ ہے کہ خبر واحد کو قیاس پر مطلقاً ترجیح دی جائے گی اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر ہے، تاہم بعد کے بعض حنفی اصولی جن میں بزدوی اور سرخسی بھی شامل ہیں، کے نزدیک اگر خبر واحد قلیل الفقہ یا غیر فقیہ راوی سے روایت ہوئی ہو تو اس کے معارض قیاس کو ترجیح دی جائے گی۔ البتہ اگر راوی فقیہ ہو تو پھر قیاس کو ترجیح نہیں دی جائے گی۔ اس مؤخر الذکر نقطۂ نظر کا آغاز عیسیٰ بن ابان سے ہوا ہے اور جن حنفی اصولیوں نے اسے اختیار کیا ہے، وہ دراصل اس مسئلے میں عیسیٰ بن ابان ہی سے متاثر ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid.com